عصری تعلیم گاہوں کا نصاب اور نظامِ تعلیم

از: مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں

یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے جو ذرا بھی عقل وشعور رکھتا ہو اور دانش وبینش کا حامل ہو کہ 'تعلیم' انسانی ضروریات میں سے ایک اہم ترین ضرورت اور روحانی فضائل میں سے ایک بلند ترین فضیلت ہے۔ علم ہی وہ جوہر لازوال ہے جس کے سامنے فرشتوں کو سرنگوں ہونا پڑا اور جس کی بنا پر انسان مسجودِ ملائک بنا اور یہی وہ وصف خاص ہے کہ شرافتِ انسانی اور کرامتِ انسانی جس پر مرتب ہوتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔

علم کی تعریف ومقصد:

مگر یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علم وہی ہے جس سے انسان کو انسانیت کا سبق ملے، اخلاق فاضلہ میں رسوخ حاصل ہو، تہذیب وشرافت پروان چڑھے اور اس کے ساتھ وہ حق وباطل میں تمیز، مغز وپوست میں فرق، اور صلاح وفساد میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بخشتا ہو، انسان کو صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہو اور رضائے الٰہی اور قربِ خداوندی کی دولت سے مالا مال کرتا ہو، اس کی کوئی پروا نہیں کہ وہ سائنس وٹیکنالوجی (Tecnology & Science) کے علوم ہوں یا طب وانجینئری کے فنون ہوں، تاریخ وفلسفہ کے اسباق ہوں، یا زبان وادب کے دروس ہوں۔ اگر یہ تمام علوم وفنون انسان کو اس مقصد تک پہنچاتے ہیں جو ابھی مذکور ہوا، تو بلاشبہ یہ علوم وفنون ہیں اور اگر اس مقصد تک نہیں پہنچاتے تو یہ سب ایک شعبہء جنون ہے۔

تعلیم اور ہمارے اسلاف:

جس دور میں یہ تمام علوم وفنون اہل اسلام کے ہاتھوں پروان چڑھ رہے تھے، ان علوم وفنون سے انسان کو انسانیت کا سبق، شرافت کا درس، اخلاق فاضلہ میں رسوخ، حق وباطل میں تمیز وپہچان کی صلاحیت، بھرپور طریقے پر حاصل ہوتی رہی اور انسان ہدایت کی شاہراہ پر گامزن اور صراط مستقیم پر قائم تھا، تاریخ کے واقعات اور قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں اس کیلئے عبرت وموعظت کے اسباق قرار پاتے تھے اور وہ ان سے ہدایت حاصل کرنے

پر مجبور ہو جاتا تھا۔ غرض یہ کہ یہ تمام علوم و فنون اس کی رہنمائی کرتے تھے اور وہ رضائے الٰہی و قرب خداوندی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا تھا۔

زوالِ اسپین کے بعد:

اسپین کے زوال کے بعد جب یہ تمام علوم وفنون (جن کو ہمارے اسلاف نے ایمانی فراست اور روحانی حرارت کے ذریعہ پروان چڑھایا تھا اور ان علوم وفنون سے انسانیت کی خدمت لیتے رہے) الحاد و دہریت کے شکار لوگوں، خدا اور رسول کے باغیوں، انسانیت وشرافت سے محروم لوگوں، حرص و ہوس کے پجاریوں کے ظالمانہ و مجرمانہ پنجے اور قبضے میں چلے گئے، تو ان علوم وفنون کو ان کے اصل مقصد منشاء کے خلاف استعمال کیا جانے لگا اور اپنے ذاتی مفادات کیلئے انکا کھلے طور پر استحصال کیا جانے لگا۔ اور یہ ملحد وزندیق اور اہل حرص و ہوا لوگ اپنی مکاری وعیاری سے شعبہ تعلیم پر چھاتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان علوم وفنون کو انھوں نے خدا اور رسولوں سے بغاوت، مذہب و ایمان سے عداوت، انسانیت وتہذیب سے تلعب و استہزاء اور اخلاقی اقدار کی تحقیر وتوہین کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اور آج کے دور میں علم وتعلیم نام ہی اس بات کا ہے کہ مذہب و ایمان کو فضول اور بیکار چیز سمجھا جائے، اخلاقی اقدار جیسے شرم وحیاء، تواضع و انکساری، احسان وسلوک وغیرہ کو عجز و کمزوری پر محمول کیا جائے اور انسانی اقدار کو دقیانوسی ٹھہرایا جائے، اس کے برعکس ہر بے حیائی اور بے شرمی کو تعلیم کا لازمہ اور ہر بے ایمانی اور بداعتقادی کو عقل و شعور کا نتیجہ اور ہر بداخلاقی و بدتہذیبی کو روشن خیالی کا اثر قرار دیا جائے۔

موجودہ تعلیم کے خطرناک نتائج:

یہ افسوس ناک صورت حال جن خطرناک وتباہ کن نتائج پر منتج ہوئی، اور برابر ہو رہی ہے، وہ آج ہمارے سامنے ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ان نمبرات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱)...... ہمارے بچے جب ان اسکولوں میں جاتے اور وہاں کے نظام و نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہیں، تو ان کے دلوں سے ایمان و اسلام بلکہ مذہب کی عظمت واہمیت یکسر ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس کو محض ایک فضول چیز سمجھنے لگتے ہیں۔

(۲)...... جو لوگ کچھ مذہبی قسم کے ہیں، انھوں نے اس تعلیم کا یہ اثر قبول کیا کہ دین و دنیا کو دو خانوں میں بانٹ دیا اور مذہب و دین کو زندگی کا پرائیویٹ معاملہ کہہ کر اس کو مدارس و مساجد اور نماز روزہ تک ہی محدود و مقید کر دیا اور زندگی کے دیگر مراحل ومواقع میں پوری طرح اسلام سے آزاد ہو گئے، حالانکہ یہ ذہنیت خالص عیسائی اور یہودی ذہنیت ہے۔

(۳)...... بہت سے تعلیم یافتہ لوگوں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور بہت سے احکام کے بارے میں شکوک و

شبہات پیدا ہو گئے اور وہ بے اطمینانی و بے اعتمادی کا شکار ہو گئے، پھر ان میں جو بز دل ہیں، وہ تو دل ہی دل میں ان شکوک وشبہات کو لئے پھر رہے ہیں اور جو جری ہیں وہ برملا اسلام پر حملہ کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اخبارات وجرائد کے کالم اس قسم کے لوگوں کا پتہ دیتے رہتے ہیں۔

(۴)......عفت وعصمت، پاکیزگی و پاک دامنی کی کوئی فضیلت واہمیت دلوں میں باقی نہ رہی بلکہ عفت وعصمت کی قدروں کو پامال کرنا، ایک فیشن بن گیا اور جو شرم وحیاء اور عصمت کی بات کرے وہ ان لوگوں کی نظر میں دقیانوسی اور حالات زمانہ سے بے بہرہ اور تاریک خیال ٹھہرایا گیا۔

(۵)......اخلاق وشرافت، تہذیب وانسانیت کی جگہ حیوانیت و درندگی اور شیطانیت نے لے لی، اور انسانیت و اخلاق کی توہین کرنا، ایک محبوب مشغلہ بن گیا، اب یہ لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کریں تو روشن خیالی، کوئی بیٹھ کر پیشاب کرے تو دقیانوسی، یہ لوگ کھڑے ہو کر کھائیں، آدھا کھانا گر رہا ہو اور بدتہذیبی کا مظاہرہ ہو رہا ہو، تو عین روشن دماغی ہے اور کوئی مولوی ان کو بتائے کہ ادب وسلیقہ سے دسترخوان پر بیٹھ کر انسان بن کر نوش فرمائیں، تو یہ مولوی تاریک خیال؛ پھر اس کی تاریک خیالی کے چرچے، ان روشن دماغوں کے فرائضِ تبلیغ میں داخل، تاکہ کوئی مولوی جیسا تاریک خیال دنیا میں باقی نہ رہے۔

(۶)......چونکہ اس تعلیم کا مقصد محض تن پروری وتن آسانی، عیش پرستی ہی دماغوں میں بٹھایا جاتا ہے، اس لئے ہر تعلیم یافتہ حرص وہوس کا غلام بن کر آتا ہے اور مال ودولت کے جمع کرنے میں اندھا، بہرا ہو کر لگ جاتا ہے؛ نہ حلال وحرام کی تمیز سے اس کو کوئی دلچسپی ہوتی ہے؛ اور نہ انسانی ہمدردی وغمخواری سے کوئی واسطہ۔ ڈاکٹر ہو تو بیماروں سے جتنا اور جس طرح ہڑپ کر سکتا ہے، وہ کریگا؛ اس کو بیمار کی شفایابی وعلاج سے زیادہ اپنی جیب اور اپنے پیٹ کی فکر ہو گی۔ اسی طرح شادی کے موقعہ پر لڑکی والوں سے بٹورنے کی ہر تعلیم یافتہ کو فکر لگی رہتی ہے کیونکہ اس نے ڈاکٹر وانجینئر وغیرہ بننے کیلئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا تھا؛ اور وہاں دیا تھا، تو اب یہاں لینے کی فکر ہوتی ہے۔

(۷)......اس تعلیم سے مقصد ہی عیش وآرام اور مال ودولت ہے، تو غریبوں سے نفرت اور حقارت کے ناپاک جذبات بھی اس طبقہ میں لازمی طور پر پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے یہ طبقہ اپنی سوسائٹی ہی الگ بناتا ہے۔ ان کے گھر کی شادیوں اور تقریبات میں بھی صرف کاروں اور بنگلوں والے اور سوٹ بوٹ میں ملبوس لوگ ہی بلائے جاتے ہیں، وہ غریبوں کو بلانے میں اپنی شان کی توہین سمجھتے ہیں۔

یہ چند موٹی موٹی اور بالکل ظاہر وواضح خرابیاں اور برائیاں ہیں، جو آج کی تعلیم سے تعلیم یافتہ طبقے اور پڑھنے والے بچوں میں پیدا ہوتی ہیں، ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن سے ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے، اور بعض وہ ہیں جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے سخت گناہ اور معصیت ہیں۔

عیسائی مشنری اسکول زیادہ خطرناک:

یہ تو عصری تعلیم گاہوں اور وہاں کے نظام پر ایک عمومی تبصرہ ہے؛ لیکن اگر عیسائی مشنری تعلیم گاہوں پر خصوصیت سے نظر کی جائے تو اس کی خطرناکی اور زیادہ محسوس ہوگی، کیونکہ ان مشنری اسکولوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں میں بداعتقادی کا بیج بویا جائے اور ان کو ان کے مذہبی ورثہ سے دور کردیا جائے جس کی وجہ سے وہ اگر چہ عیسائی نہ ہوں، تاہم مسلمان بھی باقی نہ رہیں۔

☆......علامہ اقبال نے یورپ کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی، وہاں کے اچھے برے کو قریب سے دیکھا، وہاں کی اقوام کا مزاج بھی دیکھا، پھر یہاں کے حالات بھی دیکھتے رہے، غرض یہ کہ ایک فلسفی کی حیثیت سے ہر چیز کا بنظر غائر مطالعہ کیا، پھر ان عیسائی اسکولوں کی تعلیم اور ان کے نظام پر جو خیال ظاہر کیا، اسکو سنئے:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

☆......ایک امریکن خاتون محترمہ مریم جمیلہ نے (جو ۱۹۶۰ء میں یہودیت سے توبہ کرکے مسلمان ہوئیں) اپنی کتاب ''اسلام اور آج کی مسلمان خاتون'' میں لکھا ہے کہ:

''مسلمان ماں کو کسی بھی قیمت پر اپنے بچوں کو عیسائی مشنری اسکولوں یا کانونٹ کو بھیجنے پر راضی نہ ہونا چاہئے، جہاں ان بچوں کو پوری طرح اپنے مذہبی ومعاشرتی ورثہ سے الگ کردیا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ بھی یقین کرنا چاہئے کہ سرکاری اسکول بھی کچھ زیادہ تسلی بخش سامان مہیا نہیں کرتے۔''

ایک نومسلم مغربی مصنف کا انتباہ:

اسی طرح ایک اور نومسلم مغربی مصنف محمد اسد نے مغربی نظام تعلیم اور اسکولی تربیت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ بھی چونکا دینے والے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب islam at the cross road میں لکھتے ہیں:

یعنی......''مسلم نوجوانوں کی مغربی تعلیم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر ایمان ویقین رکھنے اور اپنے آپ کو اس مخصوص الٰہی تمدن وتہذیب کا نمائندہ سمجھنے کے قابل نہ رکھے گی جو اسلام لے کر آیا ہے۔''[P:84]

اس کے بعد پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''جو کچھ بھی ہو، اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ''ان روشن خیالوں'' کے اندر دینی عقائد بڑی تیزی کے ساتھ کمزور ہوتے جارہے ہیں، جن کی تعلیم مغربی بنیادوں پر ہوئی ہے۔''

پھر آگے ایک عجیب بات کہتے ہیں کہ:

"ہماری (مسلمانوں کی) پوری تعلیمی پسماندگی اور بے بضاعتی ان مہلک اثرات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو دینی بنیادوں پر مغربی تعلیم کی اندھی تقلید کی وجہ سے مرتب ہونگے۔"

(100:P)

بعض بلکہ اکثر لوگ آج مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا رونا روتے ہیں اوران کو مشورہ دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو اور جیسا بھی بن پڑے وہ عصری علوم حاصل کریں، ایسے لوگ محترم محمد اسد صاحب کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟

بلاشبہ پسماندگی بری چیز ہے مگر مغربی تعلیم پر اندھا دھند فریفتہ ہونا اور اس کو جوں کا توں از اول تا آخر لیکر خوش ہو جانا، ایمان اور دینی بنیادوں پر کیا مہلک اثرات مرتب کرتا ہے؟ اس کا موازنہ تعلیمی پسماندگی سے کیا جائے تو اس پسماندگی کی کوئی حیثیت نہ ہوگی بشرطیکہ ایمان واسلام کی قدر دل میں ہو۔

نصاب اور مشرکانہ ذہنیت:

اس کے بعد عصری تعلیم گاہوں کا ایک سرسری جائزہ لیجئے، تو معلوم ہوگا کہ یہ اسکول ایمان کیلئے کس قدر خطرناک ہیں، ان اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں انگلش زبان کی ہر کتاب میں مشرکانہ وکافرانہ ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس نصاب کو پڑھنے والے بچوں پر اس کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔

میں نے ایک چھ سات سالہ بچی کی جو دوسری جماعت میں زیرِ تعلیم تھی، اس کی ایک کاپی دیکھی، اس میں ایک سوال وجواب اس طرح لکھا ہوا تھا:

Who is God	God is our father
یعنی خدا کون ہے؟	خدا ہمارا باپ ہے۔

غور کیجئے کہ یہ "خدا کو باپ قرار دینا" کیا عیسائی ذہنیت اور مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ ہمارے بچے اسکو پڑھ کر کیا مسلمان باقی رہ سکتے ہیں؟ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ یہ بچی کسی عیسائی اسکول کی طالبہ نہیں تھی؛ بلکہ ایک مسلمان کے زیرِ نگرانی چلنے والے اسکول کی طالبہ تھی مگر چونکہ وہاں کا نصاب ونظام ہی مغربی افکار اور بنیادوں پر مرتب ہوا ہے تو سب اس کے لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔

مغربی نظامِ تعلیم کے اثرات:

اسی وجہ سے اس نظام کے تحت پرورش پانے والے لوگ عام طور پر بے دینی اور الحاد و دہریت یا کم از کم دین و مذہب کے بارے میں تشکیک وتذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملے کرنے میں بھی کوئی

باک محسوس نہیں کرتے۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے کہ:

''جدید تعلیم میں مذہبی اثر نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ سینکڑوں تعلیم یافتہ مذہبی مسائل کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں، اخباروں میں آرٹیکل نکلتے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت خاندان کو تباہ کردینے والا ہے، اسلئے اس میں ترمیم ہونی چاہئے، ایک صاحب نے مضمون لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے، پیغمبر تھے، مدینہ جاکر بادشاہ ہوگئے اور اسلئے قرآن مجید میں جو مدنی سورتیں ہیں وہ خدائی احکام نہیں بلکہ شاہانہ قوانین ہیں، ایک موقعہ پر مجھ سے لوگوں نے لکچر دینے کی درخواست کی، میں نے پوچھا کس مضمون پر لکچر دوں؟ ایک گریجویٹ مسلمان نے فرمایا کہ اور جس مضمون پر چاہے تقریر کیجئے لیکن مذہب پر نہ کیجئے، ہم لوگوں کو مذہب نام سے گھن آتی ہے (نقل کفر کفر نہ باشد) یہ صرف دو چار شخص کے خیالات نہیں، مذہبی بے پروائی کی عام وبا چل رہی ہے، فرق یہ ہے کہ اکثر لوگ دل کے خیالات دل ہی میں رکھتے ہیں اور بعض دلیر طبع لوگ انکو ظاہر بھی کردیتے ہیں۔'' (خطبات شبلی: ۸۵-۹۵)

علامہ اقبال جو انہی کالجوں کے پروردہ اور یورپی دنیا اور وہاں کے لوگوں کی عیاریوں و مکاریوں سے خوب واقف تھے، انھوں نے انہی حالات کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد کہا تھا کہ:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارحِ اقبالیات پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا ہے کہ:

''تعلیم حاصل کرکے نوجوانوں کو سرکاری ملازمت تو بیشک مل جاتی ہے، لیکن اس مغربی تعلیم کی وجہ سے ان کے اندر الحاد کا رنگ بھی تو پیدا ہوجاتا ہے، مسلمان کے گھر میں دولت آرہی ہے، لیکن کفر کی لعنت بھی اس کے ساتھ ساتھ داخل ہورہی ہے، تو ایسی دولت کس کام کی؟ واضح ہو کہ مغربی تعلیم کے مضر ہونے پر اقبال نے فیصلہ ۱۹۳۱ء/ میں صادر کیا تھا، اور قوم اس وقت سے لیکر تا ایں دم اسی سم قاتل کو نوشِ جانِ ناتواں فرمارہی ہے، تو ناظرین خود اندازہ کرلیں کہ مریض اب کس منزل میں ہوگا؟ (بانگ درا مع شرح،ص:۵۵۷تا۵۵۸)

غرض یہ کہ مغربی تعلیم کی ساخت و پرداخت ہی کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس سے کفر و شرک اور بغاوت و طغیانی اور الحاد و دہریت کے جذبات و خیالات جنم لیتے اور پرورش پاتے ہیں، کیونکہ ان تعلیم گاہوں میں علوم وفنون کی تعلیم کا جو منہج ہے وہ مغربی ثقافت و تہذیب کے مزاج و خصوصیات سے تشکیل پایا ہوا ہے، اور ان فکری و فلسفیانہ رجحانات کا آئینہ دار ہے جن سے مغربی ثقافت و تہذیب پروان چڑھی ہے۔

مشنری اسکولوں میں عیسائیت کا پرچار و تعلیم:

عیسائی مشنری اسکولوں میں جن کی ہمارے معاشرے میں خاصی مانگ ہے اور وہ بڑی عزت و توقیر کی نگاہوں سے

مسلم سماج میں بھی دیکھے جاتے ہیں اور مسلمان بچوں کی اکثریت ان میں زیر تعلیم ہے، حتی کہ بعض بعض عیسائی کانونٹوں میں ساٹھ سے ستر فیصد تک مسلمان طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، ان میں سے بیشتر اسکولوں میں با قاعدہ عیسائیت کا پرچار ہوتا ہے بلکہ تعلیم ہوتی ہے اور اس سے بھی آگے چرچ لے جا کر عملی طور پر طلبہ کو ان کے مذہبی مراسم ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس جگہ اس واقعہ کا ذکر کرتا چلوں کہ ایک خاتون جن سے ہمارے خاندانی مراسم ہیں، وہ میرے گھر اپنے بچوں کو قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم کیلئے لایا کرتی تھیں، ایک دن آئیں تو روتے ہوئے، جب رونے کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ ابھی آتے ہوئے راستہ میں اچانک میرے دونوں بچے نظر نہ آئے تو میں ادھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی، اچانک میری نظر راستہ میں بنے ہوئے مریم یا عیسیٰ علیہا السلام کے ایک بت پر پڑی، تو وہاں میرے دونوں بچے بت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر میں وہاں گئی اور انکو مار کر لے آئی، اس پر بچے کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا برا کیا ہے؟ یہ کام تو ہم اسکول میں روزانہ کرتے ہیں۔ وہ خاتون کہنے لگی کہ اس پر مجھے رونا آرہا ہے۔ میں نے کہا کہ قصور بچوں کا نہیں، آپ والدین کا ہے، جو محض دنیا کیلئے دین سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے اور سمجھنا بھی چاہئے کہ یہ مشنری اسکول کس طریقہ پر بچوں کو ایمان واسلام سے دور اور کفر وشرک وعیسائیت سے قریب کر رہے ہیں؟

آپ سب کچھ بنئے مگر اسلام کے ساتھ:

آپ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو سب کچھ بنائیے: ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، تاریخ داں، جغرافیہ داں، ریاضی داں، اور مسلمان کو ان سب علوم وفنون کی ضرورت بھی ہے، مگر اس کے ساتھ آپ پر لازم وضروری ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو خدا پرست بنائیے، نبی کا غلام اور سنت کا عاشق بنائیے، دین کا خادم اور داعی بنائیے اور آخرت کا متمنی وطالب بنائیے، وہ صرف نام کے مسلمان نہیں بلکہ فکر ونظر کے لحاظ سے بھی، عمل وکردار سے بھی، صورت وشکل سے بھی، سیرت وحقیقت کے اعتبار سے بھی، ہر لحاظ سے مسلمان ہوں اور اس کیلئے آپ کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا موجودہ ''مغربی نظام تعلیم'' اس کا ساتھ دے سکے گا؟ یا یوں کہئے کہ کیا آپ اس ''اسلامی نظریہ'' کے ساتھ ''موجودہ مغربی تعلیم'' کا ساتھ دے سکیں گے؟

مغربی نظامِ تعلیم کا اصل مقصد:

بہت سارے لوگ اس حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی سامراج نے جو مغربی تعلیمی نظام رائج کیا، اس کا مقصد انگریزی تعلیم سے زیادہ انگریزیت کی تعلیم تھی، وہ اس نظام کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں میں انگریزی ذہنیت کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا تھا، اور اس کی تصدیق ''لارڈ میکالے'' کی رپورٹ سے ہوتی ہے، جو اس نے ۱۸۵۳ء میں مقبوضہ ہندوستان کے گورنر جنرل کو پیش کی تھی، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

''ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت (ہندوستان میں) حکمراں ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز ہو۔'' (میکالے کا نظریہ تعلیم ص:۶۹، بحوالہ ہمارا نظامِ تعلیم ص:۵۰)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی زید مجدہم نے اپنی کتاب ''ہمارا نظامِ تعلیم'' میں اس رپورٹ کے متعدد اقتباسات نقل کرکے، اسکے نظریہ کا خلاصہ جو پیش کیا ہے، وہ عبرت خیز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''اس کا (میکالے کا) سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ ہندوستان کے باشندوں بالخصوص مسلمانوں کو اپنے سارے تہذیبی ورثے کے بارے میں شدید احساسِ کمتری کا شکار بنا کر ان کے دلوں پر مغرب کی ہمہ گیر بالا دستی کا سکہ بٹھا دیا جائے، اور نئی نسل کو ہر ممکن طریقہ سے یہ یقین کرلینے پر مجبور کردیا جائے کہ اگر دنیا میں ترقی اور سربلندی چاہتے ہو تو اپنی فکر، اپنے فلسفے، اپنی تہذیب، اپنی معاشرت اور اپنے ماضی پر ایک حقارت بھری نظر ڈال کر مغرب کے پیچھے پیچھے آؤ اور اپنی زندگی کا ہر راستہ اسی کے نقوشِ قدم میں تلاش کرو''۔ (ہمارا نظامِ تعلیم ص:۴۸)

محترم محمد اسد جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، انھوں نے مغربی طرزِ تعلیم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مغربی ادبیات کی تعلیم کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان کیلئے اسلام ایک اجنبی چیز بن کر رہ جائے، اور یہی بات یورپ کے فلسفہ ءتاریخ پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ یورپ کا نظریہ ءتاریخ یہ ہے کہ دنیا میں دو ہی گروہ ہیں: رومی و وحشی۔ تاریخ کو اس طرح بیان کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مغربی اقوام کی اور ان کے تمدن وتہذیب کی بالا دستی و فوقیت ثابت کی جائے، اور تاریخ کی اس طرح تعلیم نوجوانوں کے دماغ میں اس کے سوا کوئی بات نہیں چھوڑتی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں اور اپنی پوری ثقافت وتہذیب اور اپنے مخصوص تاریخی عہد کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ (ملخصاً از ص:۹۵-۹۷)

اب غور کیجئے کہ مغربی نظامِ تعلیم جو میکالے کے دور سے آج تک اسی نہج پر چلا آرہا ہے، اسکے ساتھ اسلامی نظریات کس طرح ہم آہنگ ہوسکتے ہیں؟ اور کیا اسکا عقلی و منطقی طور پر امکان بھی ہے؟

سادہ لوحی یا خوش فہمی:

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں ہم آہنگ ہوسکتے ہیں، وہ سادہ لوحی یا خوش فہمی میں مبتلا ہیں، مولانا عبدالماجد دریابادی جو کالج ہی کے پروردہ اور وہاں کے سرد وگرم چشیدہ بزرگ ہیں، اور ایک زمانے میں اسی مغربی تعلیم نے ان کو الحاد کا شکار بنادیا تھا، وہ اپنی ''آپ بیتی'' میں ایک مقام پر مغربی طرزِ تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لفظ تعلیم و اعلیٰ تعلیم سے مرعوب بلکہ مسحور ہوکر جو پرانے قسم کے مسلمان والدین اپنی اولاد کو بے تحاشا انگریزی

کالجوں میں جھونکتے جاتے تھے، یہ بات انکے سوچنے کی تھی،تعلیم کووہ اپنے مکتبوں اور مدرسوں پر، اپنے دیوبند وفرنگی محل پر قیاس کررہے تھے، جہاں گانے بجانے کی آواز ہی کان میں پڑ جانا ایک جرم تھا، یہاں تواس کے برعکس گانا بجانا داخلِ ہنر اور دلیلِ کمال تھا، اور نقالی سے بچنا کیسا؟ ایکٹ کرنا سکھایا جاتا تھا، اچھی ایکٹنگ (نقالی) کی تو داد، دل بھر کر دیجاتی اور انعام اور تحفے جو ملتے وہ الگ، ایسے ماحول میں لڑکے کوڈال کر، سادہ دل مسلمان والدین کا یہ توقع رکھنا کہ لڑکا پارسا، صالح اور کسی درجہ میں متقی ہوکر نکلے گا کس غضب کی سادہ لوحی تھی''؟ (آپ بیتی، ص: ۱۲۰ تا ۱۲۱)

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موجودہ نظام تعلیم کے ساتھ ایک آدمی یہ تمنا رکھے کہ اسلام کے مطابق زندگی گزاری جاسکے گی اور یہ کہ اس کے عقائد واعمال، اسلام کے مطابق باقی رہ سکیں گے، بڑا مشکل ہے۔

موجودہ نظامِ تعلیم......ایک خاموش نسل کشی:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ مغربی نظامِ تعلیم درحقیقت مشرق اور اسلامی ممالک میں ایک گہرے قسم کی لیکن خاموش نسل کشی کے مرادف تھا، عقلاءِ مغرب نے ایک پوری نسل کو جسمانی طور پر ہلاک کرنے کے فرسودہ اور بدنام طریقہ کو چھوڑ کر اسکو اپنے سانچے میں ڈھال لینے کا فیصلہ کیا اور اس کام کیلئے جابجا مراکز قائم کئے جن کو تعلیم گاہوں اور کالجوں کے نام سے موسوم کیا۔'' (مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش: ۲۴۷)

ان باتوں کو علماء کی زبانوں سے سن کر لوگ علماء کو دقیانوسیت کی طرف منسوب کردیتے ہیں اور خود اپنے آپ کو روشن خیال سمجھتے ہیں، اسلئے یہاں میں نے بعض ان لوگوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جن کو لوگ روشن خیال قرار دیتے ہیں اور جو خود اس تعلیم سے اخذ واستفادہ کئے ہوئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مغربی ذہنیت یہ ہے کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو زیر کرنے کیلئے تیغ وسنان کے بجائے، تعلیم کے نام پر دماغوں اور مزاجوں کو بدل دیا جائے، میں اوپر اس نظام تعلیم کے بانی ''لارڈ میکالے'' کی تصریح نقل کرچکا ہوں کہ وہ اس نظام سے ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتا تھا جو رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مزاج اور فکر اور نظریات وخیالات کے لحاظ سے انگریز ہو، کیا اس کے بعد بھی کسی کو ہماری بات کی صداقت میں شک کی گنجائش ہے؟

لیجئے گھر کی شہادت حاضر ہے:

انگریزی تعلیم کے اس نتیجہ کیلئے میں خود انگریز کے گھر کی شہادت پیش کرتا ہوں، اوپر بھی بعض شہادتیں گزری ہیں، اب یہ بھی پڑھ لیجئے:

''ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے: ہمارے اسکولوں اور کالجوں سے پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس

نے اپنے بزرگوں کے عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔" (بحوالہ "نقش حیات"، حضرت شیخ الاسلام مدنی، ج ۲، ص: ۱۴۰)

ان تمام شہادتوں سے یہ بات کالشمّس فی نصف النہار واضح ہے کہ مغربی نظام تعلیم و نصاب تعلیم چند مخصوص نظریات اور مقاصد پر مبنی کیا گیا ہے اور وہ مقاصد و نظریات کھلے طور پر اسلامی نقطۂ نظر سے اور شرعی مقاصد سے متصادم و متخالف ہیں۔

موجودہ مسلم عصری تعلیم گاہیں:

اس کے بعد ہمیں اس طرف نظر کرنا ہے اور اس کا جائزہ لینا ہے کہ آج مسلمانوں کی جانب سے جو عصری تعلیم گاہیں جاری و عام کی گئی ہیں، ان کا کیا حال ہے؟

ہم جب اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کی نگرانی و سرپرستی میں چلنے والے تعلیمی ادارے بھی نصابِ تعلیم، طرزِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے لحاظ سے عیسائی اور سرکاری تعلیم گاہوں سے کچھ بھی مختلف نہیں؛ اور وہ ساری برائیاں اور خرابیاں جو اوپر ذکر کی گئیں، ان مسلم عصری تعلیم گاہوں میں بھی علی وجہ الاتم موجود و باقی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں کے بانی مبانی اور ان کے سرپرست و نگراں اور ان کے اندر کام کرنے والا عملہ، یہ سب اگرچہ مسلمان ہیں مگر ان کا فکر و نظریہ بعینہ وہی ہے جو غیر مسلم دانشوروں کا ہے اور ان لوگوں نے ان اداروں کیلئے وہی سب کچھ درآمد کیا ہے جو انگریزوں اور یہودیوں نے تیار کیا ہے، اور شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ان لوگوں نے "مغربی نظامِ تعلیم و تربیت" کو اس طرح قبول کرلیا ہے جیسے کہ یہ کوئی آسمانی و الٰہی پیغام ہو، جس سے انحراف و تجاوز نہیں کیا جاسکتا، حتیٰ کہ مغربی نظامِ تعلیم بلکہ نظریہ تعلیم کو ان لوگوں نے اس کی ساری خامیوں اور خرابیوں کے ساتھ قبول کرلیا اور اس کے کسی نقطہ اور شوشہ کو بھی تبدیل کرنا، ان کے نزدیک اسی طرح ناروا جسارت قرار پائی جیسے کلام اللہ میں کسی طرح کی تبدیلی حرام و ناجائز ہے، حالانکہ یہ مغربی نظریہء تعلیم ان لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے جن کے عقائد و اصول، جن کے اخلاقی اقدار و انظار، جن کے معاشرتی طور و طریقے، جن کے اقتصادی افکار و نظریئے از اول تا آخر اور مکمل طور پر اسلامی اقدار و عقائد اور نظریوں اور طریقوں سے مختلف ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب سب کچھ مغرب سے درآمد کیا گیا ہے اور اس کو جوں کا توں قبول کر کے نافذ العمل قرار دیا گیا ہے، تو ان مسلم اداروں اور دانش گاہوں کا حال، عیسائی مشنری یا سرکاری اسکولوں سے کس طرح اور کیوں کر مختلف ہوسکتا ہے؟ ان مسلم اسکولوں میں عموماً اسلام کے فرائض و بنیادی احکام تک کی پروا نہیں کی جاتی، نمازوں کا وقت ہوتا رہے اور نماز و جماعت کا کوئی نظام اسکول کی جانب سے نہیں ہوتا، بلکہ بعض اسکولوں میں یہ بھی سنا گیا کہ طلبہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں مگر اسکول والے اپنے اوقاتِ تعلیم میں کوئی فرق و تبدیلی کرنا نہیں چاہتے، جس کی وجہ سے ان کی

نمازیں غارت ہوجاتی ہیں۔ مسلم اسکولوں کے ان حالات سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان اداروں کے ذمہ داروں اور سر پرستوں کی ذہنیت کس قدر مغرب زدہ ہے۔

مسئلہ کا حل کیا ہے؟:

اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال سے نکلنے کی کیا صورت ہے اور تعلیمی مسئلہ کو حل کرنے کی سبیل کیا ہے؟ جس سے ایک طرف علوم وفنون سے وابستگی وتعلق بلکہ ان میں اختصار ومہارت پیدا ہو، اور دوسری طرف یہ سارے علوم وفنون، معرفت خداوندی کا ذریعہ بن جائیں، اخلاق فاضلہ کے حصول کا سبب بن جائیں اور شرافت وتہذیب کی طرف گامزن کردیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت حال سے چھٹکارا پانے کے لئے بڑی سنجیدگی اور غور وفکر کے ساتھ یکے بعد دیگرے تین باتیں طے کرنی ہوں گی:

(۱)...... اولاً ہم کو ہماری حیثیت وحقیقت پر نظر ڈالنا ہوگا اور یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں، ہمارا مقصد وجود کیا ہے؟

(۲)...... پھر ہمیں تعلیم کے مقاصد کو متعین کرنا ہوگا، کہ تعلیم حاصل کرنے یا دوسروں کو تعلیم دینے کا مقصد کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے؟

(۳)...... پھر اسی کے مطابق اسکولوں کا نصاب اور نظام طے کرنا ہوگا، کیونکہ تعلیم ہماری حیثیت وحقیقت اور ہمارے طے شدہ مقاصد کے مطابق ہونا چاہئے۔ اب میں اس اجمال کی وضاحت کرتا ہوں:

پہلی بات: میں نے یہ کہی کہ ہمیں اولاً اپنی حقیقت وحیثیت پر نظر ڈالنا چاہئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمیں یہ یادرکھنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب اسلام ہے، جس میں ہمیں کچھ عقائد وافکار اور احکام واقدار کا پابند کیا گیا ہے اور ہمارے لئے یہ پابندی ناگزیر ہے، اور ہمیں جاننا اور یقین کرنا چاہئے کہ اسلام کوئی قومیت نہیں ہے بلکہ وہ ایک پاکیزہ دین ہے جو عقائد واقدار کا حامل بھی ہے اور داعی بھی، اور وہ تمام سعادتوں کا جامع بھی ہے اور کفیل بھی اور ہدایت وسعادت اسی دین کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ ایک نظامِ حیات ہے جو انسانیت کیلئے آب حیات ہے اور مسلمان وہ امت ہے جو اللہ کے اس آخری ودائمی پیغام پر ایمان ویقین رکھتی ہے، اور اسی کے مطابق زندگی کا کارواں آگے بڑھاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جو امت ایسے دین کی پابند وحامل ہے، اس کو بہر صورت اپنے عقائد واعمال، اپنے افکار واقدار کی ہر میدان میں اور ہر موقعہ پر حفاظت کرنا لازم ہے، ورنہ وہ اس دین کی حامل ہی نہ رہے گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کو بھی اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے ،وہ یہ کہ اس امت کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ اس دین پر عمل پیرا ہوجائے بلکہ اسکے ساتھ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے ابدی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے ،اس کیلئے اس کو اپنے عمل اور کردار سے بھی ،اور زبان وقلم سے بھی کام لے کر اس ذمہ داری کو پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

دوسری بات: یہ ہے کہ تعلیم کے مقصد پر نظر کرنا اور اس کو متعین کرنا بھی ضروری ہے، یہ کام بہت ہی ضروری ہے، کیونکہ ہر کام اپنے مقصد کے تابع ہوتا ہے، جب تک مقصد متعین نہ ہوگا اس وقت تک تعلیم اپنے اثرات ونتائج ظاہر نہیں کرتی ۔انگریزی ومغربی تعلیم نے اقتصادی ترقی اور عیش کوشی اور حصول مال ودولت کو اپنا مقصد قرار دیا ہے۔لہٰذا اس تعلیم کے پروردہ لوگ اور اس کی آغوشِ تربیت سے تربیت پا کر نکلنے والے افراد اپنے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔اس کے برخلاف اسلام کا نقطۂ نظر تعلیم کے سلسلہ میں یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعہ انسان حق و باطل کی تمیز ،اخلاقی اقدار کی تحصیل اور معرفت خداوندی کے حصول کے راستے تلاش کرے اور انسانی ہمدردی وغمخواری کا جذبہ لے کر انسانوں کی خدمت کرے۔الغرض ہمیں تعلیم کے مقاصد کو شرعی انداز پر متعین کرنا چاہئے تا کہ اسی کے مطابق نصاب ونظامِ تعلیم مقرر کیا جاسکے۔

تیسری بات: اب تیسری بات کو لیجئے کہ نصاب ونظام کیا اور کیسا ہو؟ یہ بات پہلی دو باتوں کے تابع ہے کیونکہ نصاب وہ بنے گا جو ہماری حیثیت اور حقیقت سے مناسبت رکھنے والا ہو اور نظام بھی وہ تجویز ہوگا جو ہماری ذات سے ہم آہنگ ہوگا اور اسی طرح نصاب ونظام تعلیم ،ان مقاصد کے موافق ہوگا جن کو ہم نے اپنی تعلیم کے مقاصد قرار دیا ہوا ہے۔یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک وہ شخص جس کو اللہ پر ایمان ویقین نہ ہو،اور وہ ایک آزاد اور من مانی زندگی گزارنے کو روا و جائز رکھتا ہو،اس کا نصاب ونظام تعلیم ایک ایسے شخص کیلئے مفید وکارآمد نہیں ہوسکتا جو اللہ پر ایمان و یقین رکھتا ہو اور اپنے لئے اسلامی طرز کی زندگی کو ضروری سمجھتا ہو۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ ہمیں مسئلہ کے حل کیلئے مغربی نصاب ونظام تعلیم کو یکسر ختم کرکے ایک ایسے نصاب اور نظام کی تشکیل کرنی ہوگی ، جو ہماری ذات اور ہمارے مقاصد سے مناسبت و ہم آہنگی رکھتا ہو،اور اس میں ان باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو جن کا ایک مسلمان کو لحاظ رکھنا ہے اور اس کی طبیعت سے ان کو مناسبت ہو۔ہم مغرب سے استفادہ اسی صورت میں کرسکتے ہیں جبکہ ہم اس نصاب اور نظام کو حذف وترمیم اور اصلاح وتجدید کی راہ سے مکمل طور پر گزاریں گے اور اس کو اس قابل بنائیں گے کہ وہ ہمارے قد وقامت پر راست آسکے۔

یہ ہے وہ عظیم ونازک ترین کام جس کے بغیر یہ امت یا تو ناکارہ رہے گی یا مغرب کی غلام بن جائے گی، یہ کام اگرچہ طویل المیعاد ہے، مگر ہے ضروری،اس لیے بہر حال اس کام کو کرنا چاہئے۔